ظفر اللہ خان

اسلام: رحمت للعالمین

انڈونیشیا میں تعبیر دین کے اصول

ISLAM IN INDONESIA

انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذھبی امور

اسلام آباد، پاکستان

رحمت اللعالمین: انڈونیشیا میں تعبیرِ دین کے اُصول

بیرسٹر ظفراللہ خان[1]

'انٹر نیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور' نے جب مجھے اپنے ایک مذہبی سفارت کاری کے پروگرام کے ضمن میں انڈونیشیا کے سفر کی دعوت دی تو میں نے حسب مزاج انہیں جواب دیا کہ میری روحانی ڈیوٹی مغربی ممالک کی طرف ہے اور میں مشرق کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مشرق میں موسم اور خوراک عجیب ہے اور تاریخی لحاظ سے سیکھنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے اصرار پر میں تیار ہو گیا۔ کچھ دوست بھی جا رہے تھے اور انڈونیشیا سے پاکستان کی بھی مماثلت ہے کہ وہاں بھی سماجی انتشار رہا ہے اور غیر جمہوری طاقتوں نے طویل حکمرانی کی ہے جبکہ اب وہاں سماجی آہنگی مثالی ہے، جمہوریت ہے اور انڈونیشیا دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ انڈونیشیا کا یہ سفر ہم نے ایک گروپ کی شکل میں کیا جس میں علمائے کرام، سیاست دان اور سول سوسائٹی کے نمائندے شامل تھے اور اس دورہ میں حکومت انڈونیشیا نے خوب سہولت کاری کی۔

انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا مسلمان ملک ہے۔ اس کی آبادی ۲۸ کروڑ ہے

[1] بیرسٹر ظفراللہ خان سابق وزیر قانون رہ چکے ہیں، تصوف، اصول فقہ اور سیاسی اسلام پر متعدد اہم کتب کے مصنف بھی ہیں۔

جبکہ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے چوتھا بڑا ملک ہے۔ یہ ملک ۱۷۰۰۰ جزیروں پر مشتمل ہے جس میں جاوا اور سماٹرا سب سے بڑے ہیں۔ انڈونیشیا مین ۱۳۰۰ نسلی گروہ رہتے ہیں جبکہ ۲۰۰ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اس کی آبادی کا ۸۷ فیصد مسلمان ہیں جبکہ ۱۰ء۵ فیصد عیسائی ہیں اور ۱ء۷ فیصد اور ۰ء۷ فیصد بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اس لسانی، علاقائی اور مذہب اختلاف میں متحد انہوں نے ایک راہنما اصول بنا رکھا ہے، وہ ہے کثرت میں وحدت۔

انڈونیشیا اگست ۱۹۴۵ء میں آزاد ہوا۔ اس سے پہلے وہاں نیدر لینڈ نے کئی سو سال بطور استعمار حکومت کی اور پھر آخری دو سال جاپان نے وہاں قبضہ کر لیا تھا۔ انڈونیشای کے پہلے صدر جناب سکارنو تھے جبکہ ۱۹۶۸ء میں جرنل سہارتو نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانہ میں کمیونسٹوں اور دیگر سیاستی جماعتوں اور گروہوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جس میں پانچ لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ ۱۹۹۸ء میں پھر وہاں جمہوریت قائم ہو گئی اور ملک معاشی اور سماجی ترقی کی طرف گامزن ہو گیا۔ ملک میں صدارتی نظام ہے۔ پارلیمنٹ کے دو ایوان ہیں جبکہ صدر کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے۔ انڈونیشیا دنیا کی سولہویں بڑی معیشت ہے جبکہ فی کس آمدنی ۵۱۰۰ ڈالر ہے جبکہ پاکستان کی معیشت چھیاسویں نمبر پر ہے جبکہ اس کی فی کس آمدنی ۱۴۷۰ ڈالر ہے۔

انڈونیشیا میں اسلام عرب تاجروں کی مدد سے پھیلا اور پھر تیرھویں صدی سے صوفیائے کرامؒ نے اثر ڈالنا شروع کیا جو زہادہ تر ہندوستان (گجرات) اور یمن (حضرموت) سے تشریف لائے تھے۔ انڈونیشیا ایک سیکولر ریاست ہے جس نے رسمی طور پر چھ مذاہب کو تسلیم کرر کھا ہے۔ بعض احوال کے مطابق تیرھویں صدی میں شمالی

سماٹرا میں ایک مقامی مسلم سلطنت قائم ہو گئی تھی۔

انڈونیشیا مسلم دنیا کا ایک ایسا ملک ہے کہ جس کے بارے میں مفکرین اکثر گفتگو کرتے رہتے ہیں اور اس کو ایک ماڈل کے طور پہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ وہاں کی تعبیرِ دین عام مسلم ممالک، خصوصاً برصغیر سے کئی پہلوؤں میں مختلف ہے۔ اس بابت ہمیں پہلے ہی بہت سی چیزوں علم تھا۔ پھر چونکہ یہ دورہ خصوصی طور پہ وہاں کے دینی ڈھانچے کو قریب سے دیکھنے اور براہ راست ان کی مذہبی قیادت، اہم جماعتوں اور اداروں کا جائزہ لینے کے لیے تھا، اس لیے بھرپور استفادے کا موقع ملا اور مزید کچھ ایسے پہلو تجربے سے گزرے جن کا ذکر کرنا مفید محسوس ہوتا ہے۔ پہلے کچھ احوال کو بیان کرتے ہیں تاکہ دینی تعبیر کی عملی شکل سمجھ میں آجائے تو پھر اس کے فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ وسعت نظری کے مظاہر

جب ہم نے شہر میں ٹیکسی کی تو ڈرائیور خاتون ہے، جو نہایت باقار اور پردے کی حالت میں تھی۔ وفد میں پاکستان کے دو تین دینی مدارس کی اہم شخصیات بھی ہمراہ تھیں۔ جب اس خاتون نے ہمیں گاڑی میں لے کر ہوٹل چھوڑا تو میں نے اُن علماء سے پوچھا کہ کیا اس سے کوئی مسئلہ یا قباحت پیدا ہوئی ہے؟، تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا، ان خاتون کا عمل بہت باوقار اور حدود کے اندر تھا۔ ایسے ہی جب ہمیں بعد میں انڈونیشیا کے سب سے بڑی مذہبی جماعتوں نہضۃ العلماء اور محمدیہ کے دفاتر اور اداروں میں جانا ہوا تو وہاں بھی ہم نے دیکھا کہ ان کے انتظامی اور علمی شعبوں میں تقریباً آدھا عملہ خواتین پر مشتمل تھا۔ بلکہ جن رضاکاروں نے ہمیں چائے وغیرہ

پیش کی ان میں بھی خواتین شامل تھیں۔

اس کے علاوہ جب مساجد میں نماز ادا کرنے جاتے تو وہاں پیچھے خواتین نمازی بھی شریک ہوتی تھیں، اور یہ ایک معمول کی بات تھی۔ وہاں پر خواتین مساجد میں بہ کثرت دیکھنے کو ملتی ہیں، کہیں کہیں تو ان کی تعداد مردوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی حال ماہ رمضان میں تراویح کے لیے بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص لباس میں مساجد آتی ہیں اور تراویح ادا کرتی ہیں۔ مساجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہوتا ہے، اور پیچھے ان کی لمبی قطاریں ہوتی ہیں۔ مساجد سے متعلقہ انتظامات میں بھی وہ حصہ لیتی ہیں۔ انڈونیشیا میں مذہبی معاملات و تبلیغ کے شعبوں میں خواتین کی فعالیت حیران کن حد تک وسیع ہے۔ معاشرے نے اسے قبول کیا ہوا ہے اور وہاں پر یہ چیز نارمل ہے۔ ان کی یہ سوچ وہاں کی مذہبی تعبیر سے ہی پھوٹتی ہے۔

جب ہم نے معاشرے کے ہر شعبے میں خواتین کی معمول کی شراکت کو دیکھا اور ان سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ دراصل ان کی مذہبی تفہیم تھی کہ اللہ تعالی نے جو کچھ مرد کے لیے بنایا ہے، وہی خواتین کے لیے بھی بنایا ہے۔ اصول کے طور پہ دونوں اصناف میں برابری ہے۔ ان کے مطابق، اگر مرد کما رہا ہے اور روزی رزق کا انتظام سنبھالتا ہے اور خاتون اس پہ انحصار کرتی ہے تو مرد 'قوام' ہے، اور اگر خاتون کماتی ہے اور مرد اس پر انحصار کرتا ہے تو ایسی صورت میں خاتون قوام سمجھی جائے گی۔ یہ تعبیر ہمارے لیے بہت عجیب اور نئی تھی۔

یہ تو مذہبی ادروں میں خواتین کی سماجی فعالیت و شراکت کا پہلو تھا، جس پر ہم آگے مزید کچھ عرض کریں گے۔ اِن مذہبی جماعتوں کے دفاتر اور ہیڈ آفسز میں جب ہم نے ان کی

قیادت سے ملاقاتیں کیں تو ایک مشترک امر یہ دیکھنے کو ملا کہ کرسی کے پیچھے دیوار پر انڈونیشیا کے صدر اور نائب صدر کی تصاویر آویزاں تھیں۔یعنی کہ ملک کے مرکزی دھارے کی مذہبی جماعتوں کے اداروں اور دفاتر میں ریاست کے سربراہان کی اہمیت اور حیثیت کو اسی طرح تسلیم کیا گیا تھااور انہیں تکریم دی گئی تھی جس طرح ان کے عام سرکاری اداروں میں ہوتا ہے۔کم از کم ہمارے یہاں کے مذہبی اداروں اور جماعتوں کے دفاتر میں یہ تصور بھی نہیں ہے کہ وہ ریاست کے سربراہان کی تصاویز آویزاں کریں۔اول تو کوئی بھی تصویر نہیں ہو گی کیونکہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے یا اگر کہیں ہو گی تو اپنے علماء کی تصویر لگائیں گے۔

اس دورہ میں ہمیں انڈونیشیا این جی او فورم آن انڈونیشیا ڈیویلپمنٹ (INFID) سے شرف میزبانی بخشا۔یہ ادارہ بہت سے این جی اوز کا مشترکہ فورم ہے جو ۱۹۸۵ء میں قائم ہوا تھا جس کے بنانے میں نھدۃ العلماء کے لیڈر جناب عبدالرضی واحد (دس گر) جو انڈونیشیا کے چوتھے صدر (۲۰۲۱ء-۲۰۱۹ء) سے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔اس نے ملک میں جمہوری اقدار، مساوات، سماجی انصاف اور حقوق انسانی کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ائیر پورٹ سے چیکنگ کے بعد جب ہم ہوٹل پہنچے تو ظہر کا وقت ہو رہا تھا۔ہم ہوٹل میں موجود مصلیٰ میں چلے گئے۔انڈونیشیا میں مساجد دو طرح کی ہیں۔ایک بڑی جامع مسجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے جبکہ دوسری چھوٹی چھوٹی مساجد / کمرے جو ہر ہوٹل وغیرہ میں ہوتے ہیں جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ان کو مصلیٰ کہتے ہیں۔جب ہم وہاں گئے تو اس مصلیٰ میں جماعت ہو رہی تھی جبکہ پانچ چھ لڑکیاں بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔مصلیٰ

(مسجد) میں نوجوان خواتین کی زیادہ تعداد دیکھ کر حیرانی اور خوشی بھی ہوئی۔ میں ان سے ملا۔ ان میں سے ازکا انتکا نے کہا وہ INFID کی طرف سے ہیں جو ہماری میزبان ہیں۔ میرے لیے دوسری حیرانی یہ تھی کہ این جی او کی لڑکیاں مصلیٰ/ مسجد میں نماز پڑھنے آئی ہوئی تھیں جس کا پاکستان میں رواج نہیں ہے۔

پاکستان کی این جی اوز کے لوگ زیادہ تر آزاد خیال ہیں جن کا مذہب کی طرف میلان نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب یہ پروگرام شروع ہوا تو یہی لڑکی سٹیج سیکریٹری تھی۔ اس پروگرام میں دو خواتین علما نے اپنی تقاریر کیں اور سوالوں کے جواب دیے۔ مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ پاکستان کی طرح انڈونیشیا میں مذہبی لوگوں اور این جی اوز غیریت نہیں ہے بلکہ باہمی اشتراک ہے اور مذہبی لوگوں نے بھی بہت سی این جی اوز بنا رکھی ہیں جو بہت زیادہ متحرک ہیں اور انہیں حکومت کی بھی سرپرستی اور مالی امداد حاصل ہے۔

اس تنظیم نے ہمیں بتایا کہ

(1) عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی اور اجتماعی عمل میں تقویٰ رکھتا ہو اور اپنے عمل کو رحمۃ اللعالمین کے تصور کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی نہ ہو جبکہ ہمارے ہاں کردار کے تقویٰ کو عالم کی تعریف میں شامل نہیں کیا جاتا۔

(2) خاتون عالم کی تعریف نظریہ کی بنیاد پر کی جاتی ہے نہ کہ جنس کی بنیاد پر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مرد عالم جو خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کرے وہ خاتون عالم کی تعریف میں شامل ہے۔ یہ کسی بھی چیز کی تعریف کے لیے ایک

نئی جہت ہے۔ ہم اس سے سیکھ سکتے ہیں۔

(3) خواتین علما کونسل ایک دینی، سماجی، ثقافتی اور روحانی تحریک ہے۔ پاکستان میں اس طرح کی جامعیت مفقود ہے۔ ہمیں اس سے سیکھنا چاہیے۔

(4) ان کی سوچ اسلامی، انسانی، قومی اور عالمی ہے۔

(5) اس تحریک کے نو اصول ہیں (i) : توحید، (ii)رحم دلی، (iii)انسانی مفاد، (iv)برابری، (v)باہمی تعاون، (vi)عدل، (vii)قومیت، (viii) انسانیت اور (ix) عالمیت ان کے پروگرام میں شامل ہے: (i)خواتین کو ماحولیاتی آلودگی سے بچانا، (ii)خواتین کو جبری شادی سے بچانا، (iii)خواتین کو جبری حمل سے بچانا وغیرہ

نہضۃ العلماء اور محمدیہ (جو علماء کی سب سے بڑی تنظیمیں ہیں) کے سربراہان کی داڑھی نہ تھی، بلکہ وہ پتلون شرٹ میں ہوتے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہم امام شافعی کے پیروکاروں میں سے ہیں، اور امام شافعی کے نزدیک داڑھی سنن عادیہ میں سے ہے۔

ایک اور چیز یہ نظر آئی کہ وہ مساجد میں جمعہ کی اذان کے ساتھ دف بجاتے تھے۔ جس طرح پرانے زمانے میں مذہبی مواقع اور ثقافتی تہواروں پر دف بجائی جاتی تھی، یہ چیز انڈونیشیا میں اب بھی زندہ ہے۔ وہ مساجد کے اندر دف بجانا سکھاتے بھی ہیں۔ جب ہم نے علماء سے اس بارے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عمل جائز ہے، بلکہ مدینہ کی ریاست میں عام تھا۔

مزید حیران کن صورتحال اس وقت دیکھنے کو ملی کہ جب ان مذہبی اداروں کے پروگرامز

میں شرکت کے لیے ہمیں مدعو کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان مجالس میں اقلیتی گروہوں کے گروہ کے افراد بھی شریک تھے۔ وہ بھی باقی لوگوں کی طرح آئے، ان سے بات چیت کی گئی اور جب نشست کا اختتام ہوا تو وہ چلے گئے۔

مذکورہ بالا چند مثالیں یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ انڈونیشیا کے علماء کا تفہیمِ دین اس سے بالکل مختلف ہے، جو برصغیر میں پایا جاتا ہے۔ ان سے اس پر جب مکالمہ ہوتا تو وہ بتاتے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام رحمۃ للعالمین ہے۔ یہ دین دنیا کے تمام انسانوں اور طبقات کے لیے برابر طور پہ رحمت ہے، اور دین میں توسع ہے۔ انڈونیشا کے عوام میں مذہبی مظاہر بہ کثرت دیکھنے کو ملتے ہیں، وہ اسی طرح دین کے ارکان ادا کرتے ہیں جیسے ہم کرتے ہیں۔ نماز، روزے کی پابندی کرتے ہیں۔ حج کے لیے بہت اہتمام سے اور منظم ہو کر جاتے ہیں۔ دینی لحاظ سے وہ سب مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں جو معروف ہیں، مگر اس کے ساتھ ان میں توسع اور تکثیریت پسندی کا عنصر بھی واضح نظر آتا ہے۔ ہم نے ان کا لٹریچر دیکھا اور پروگرامز میں انہوں نے تفصیلات سامنے رکھیں کہ وہ اپنے معاشرے میں یہ چیز کس طرح لے کر آئے اور کیا کیا اقدامات کیے تو جو پہلو ہمارے سامنے آئے، ان پر ذرا اختصار کے ساتھ بات کر لیتے ہیں۔

۲۔ دینی جماعتوں کا منہج

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انڈونیشیا کی دونوں بڑی مذہبی جماعتیں نہضۃ العلما اور محمدیہ، دونوں انتخابات میں حصہ نہیں لیتیں۔ حالانکہ ان دونوں جماعتوں کے ملک میں سات کروڑ رجسٹرڈ ممبر ہیں۔ شروع میں تو یہ دونوں جماعتیں سیاست میں حصہ لیتی

تھیں، مگر بعد میں عدم اطمینان اور فلاحی کاموں کے متاثر ہونے کی وجہ سے براہ راست سیاست سے راہیں جدا کر لیں اور اعلان کیا کہ وہ اپنی مذہبی، علمی و سماجی خدمات پر توجہ مرکوز رکھیں گی۔ اب جماعت کا کوئی بھی فرد اگر انتخابات میں حصہ لینا چاہے تو اسے جماعت کی رکنیت سے استعفی دینا پڑتا ہے۔ عبدالرحمان واحد جو نہضۃ العلما کے سربراہ بھی رہے اور ہاشم اشعری جنہوں نے جماعت کی بنیاد رکھی تھی کے پوتے تھے، انہوں نے 1999 میں جب صدارتی انتخابات میں حصہ لینا چاہا تو پہلے جماعت کی رکنیت سے علیحدگی اختیار کی۔ چونکہ جماعت کے رکن کروڑوں کی تعداد میں ہیں اس لیے وہ جیت بھی گئے۔ وہاں علما یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کام سیاست نہیں ہے۔ علما کے بنیادی طور پہ دو کام ہوتے ہیں۔ ایک ہے تعلیم و تربیت اور اخلاقی و روحانی تزکیہ کرنا، اور دوسری ذمہ داری ہے سماجی و فلاحی امور میں حصہ ڈالنا۔ یہ دونوں جماعتیں اسی فریضے کو ادا کر رہی ہیں اور ان کا سارا ڈھانچہ دو حصوں میں تقسیم ہے، تعلیمی و تربیتی، اور فلاحی امور۔

ایک پروگرام میں ڈاکٹر عالمی قبطیہ نے مذہبی رواداری کی ترویج میں خواتین کا کردار پر بات کی۔ آپ نے دینی تعلیم انڈونیشیا میں حاصل کی۔ اس کے بعد نفسیات میں ایم اے کیا اور پھر امریکہ سے پی ایچ ڈی کیا اور آسٹریلیا میں صنفی علوم کی پروفیسر ہیں اور آج کل قومی کمیشن برائے تدارک تشدد کی کمشنر ہیں۔ آپ محمدیہ تحریک کی طرف سے مفتی بھی ہیں۔ ان کے خیال میں :

(1) اسلام رحمۃ اللعالمین ہیں اور عورتوں کے لیے بھی رحمت ہے۔

(2) مذہبی نصوص کو تعبیر کے تین اصول ہیں :

(i) بیانی: کسی بھی متن کی تعبیر کے لیے صرف اور صرف اس پر غور کرنا چاہیے۔ اس کے اسباب نزول دیکھنے ہیں۔ اسباب الورود دیکھے جاتے ہیں اور ہمہ گیر اور جامع مطالعہ کرنا چاہیے۔

(ii) برہانی: ہمیں معلومات، تجربات کے تنوع کو دیکھنا ہے اور علم اور سائنس کی تحقیقات کو مدنظر رکھنا ہے۔

(iii) تعبیر کے عمل میں روحانی حکمت پر غور کرنا چاہیے اور ایسے تعبیر کرنی چاہیے جو انسانیت کے لیے مفید ہو۔

عہد حاضر کی دینی تعبیرات مرد وحضرات نے اپنے اپنے حوالے سے کی ہیں اور اس میں ان کی تعلیم، تربیت اور مقامی کلچر کا اثر ہے جبکہ اسلام صنفی عدل چاہتا ہے اور عالمی عمدہ اقدار کو تسلیم کرتا ہے۔

درج بالا نقاط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قومی مذہبی تنظیم محمدیہ سے تعلق والی خاتون کا کتنا تعلیمی ریکارڈ شاندار ہے۔ ان نے قدیم اور جدید تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ ذاتی زندگی میں شرع کی پابند ہے۔ حکومت کے ایک اہم عہدے پر فائز ہے۔ پاکستان میں اس طرح کمیشن پر عمومی مذہبی خواتین نہیں لگائی جاتیں چونکہ ان کی ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ تعبیر متن / نص کے یہ اصول انتہائی شاندار ہیں اور ان کو استعمال کرکے دین کو عصر حاضر سے جوڑا جا سکتا ہے۔ اس لیے انڈونیشی خواتین وہاں کے معاشرے میں بھرپور اور متحرک کردار ادا کر رہی ہیں۔

محمدیہ انڈونیشیا کہ سب سے پرانی مذہبی وسماجی تنظیم ہے، جس مقصد قرآن وسنہ کی روشنی

میں اجتہاد کرنا تھا اور علما کی روایتی تعبیرات کی تقلید نہیں کرنی تھی۔ اس نے تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ تعلیم میں دینی اور دنیا کی تعلیم میں فرق نہ کیا۔ یہ اگرچہ مقامی ثقافت کی حمایت کرتی ہے مگر اس کا اس مقصد اسلام کو مقامی غلط رسوم ورواج سے پاک کرنا تھا۔

اس کی بنیاد حامی محمد درویش احمد دھلان نے ۱۹۱۲ء میں رکھی۔ جناب احمد دھلان حضور نبی کریم ﷺ کے خاندان سے تھے اور آپ کے والد محترم امام تھے۔ آپ حج کے لیے سعودیہ تشریف لے گئے اور وہاں کچھ سال قیام کیا اور مذہبی تعلیم حاصل کی اور مصر کے مذہبی اصلاحی رہنما جناب مفتی محمد عبدہ اور رشید رضا کی تعلیمات سے بہت متاثر ہوئے اور واپس آکر اس تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کا انتقال ۱۹۲۳ء میں ہوا اور انڈونیشیا میں آپ کو سرکاری طور پر ایک قومی ہیرو سمجھا جاتا ہے۔

فکری لحاظ سے محمدیہ سنی اسلام پر یقین رکھتی ہے اور فقہی مذاہب کی بجائے قرآن وسنۃ کو اسلام کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے اس کو بعض سکالر سلفی تحریک بھی کہتے ہیں۔ محمدیہ کی تعلیمات میں امام ابن تیمیہؒ (متوفی ۱۳۲۸ء)، امام ابن قیمؒ (متوفی ۱۳۵۰ء)، محمد بن عبدالوہاب (متوفی ۱۷۹۲ء)، مفتی محمد عبدہ (۱۹۰۵ء) اور محمد رشید رضا (متوفی ۱۸۳۵ء) کے حوالہ جات ملتے ہیں۔ محمدیہ تصوف کے حق میں ہے اور اسلامی فکر کو جدید فکر سے ہم آہنگ کرنے پر یقین رکھتی ہے۔

محمدیہ کا ڈھانچہ مکمل طور پر جمہوری اور شوریٰ ہے اور اس کے چیئرمین، سیکریٹری وغیرہ کا قومی سطح پر انتخاب ہوتا ہے۔ اس کے بہت سے ہسپتال بھی ہیں۔ اس کے کم و بیش ۳ کروڑ ممبر ہیں۔

ان کی تعلیمی شعبے میں خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف محمدیہ کے زیراہتمام 36 یونیورسٹیاں ہیں،اور اس کے ساتھ سات ہزار سکول بھی چلاتی ہے۔ بعض خواتین کی یونیورسٹیاں ایسی ہیں جن کے چوکیدار سے لے کر وائس چانسلر تک سب عہدوں پر خواتین ہوتی ہیں۔انڈونیشیا میں مسلمان خواتین میں دینی تعلیم کا ایک بڑا وسیع نظام کام کر رہا ہے۔ محمدیہ کی سات ذیلی تنظیمیں ہیں جو خواتین، نوجوان مردوں، نوجوان خواتین، کالج کے طلاب علموں، مارشل آرٹ اور سکاؤٹنگ کے لیے ہیں۔

نہضۃ العلماء انڈونیشیا کی سب سے بڑی مذہبی جماعت ہے جس کی بنیاد ۱۹۲۶ء میں رکھی گئی۔ان کی فقہی مذہب شافعی ہے جبکہ دینی تعبیر روایتی ہے۔ یہ مقامی ثقافت کو قبول کرتے ہیں جب تک کہ یہ دین کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ان پہ امام غزالیؒ کی دینی اور حضرت جنید بغدادیؒ کی صوفیانہ تعلیمات کا غلبہ ہے۔ یہ اپنی سوچ کو انڈونیشین اسلام کہتے ہیں، جس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی تعبیر میں انڈونیشیا کے مقامی سماجی حالات، ثقافتی اقدار اور رسوم و رواج کا خیال رکھا جاتا ہے۔اس تعبیر میں برداشت اور اعتدال کا غلبہ موجود ہے اور بنیاد پرستی کے خلاف ہے اور تکثیریت پائی جاتی ہے۔ یہ عام طور پر اشاعرہ اور ماتریدیہ کے علم الکلام کو تسلیم کرتے ہیں۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ترقی طرف مائل آزاد خیال اور تکثیری اسلامی تحریک ہے۔اس تنظیم کو مولانا ہاشم اسیری نے بنایا تھا اور اس تحریک نے انڈونیشیا کی آزادی کی تحریک میں بھی حصہ لیا تھا۔

محمدیہ اور نہضۃ العلماء سے وابستہ ہزاروں مبلغات نے مجلس تعلیم یا درس قرآن کے حلقے

قائم کر رکھے ہیں۔ بہت سی مبلغات مذکورہ تنظیموں سے الگ رہ کر بھی خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کی یہ خدمت انجام دے رہی ہیں۔ وہاں خواتین دینی حلقے میں ایک توانا رائے بھی رکھتی ہیں۔ بلکہ ان کی بعض تنظیمیں اور علمی حلقے باقاعدہ فتاوی بھی جاری کرتے ہیں۔ مثال کے طور پہ لڑکیوں کی جبری شادی کے خلاف خواتین کی ایک علمی جماعت کا فتوی ہے جسے حکومت نے بھی قبول کیا ہے۔ اسی طرح خواتین سے متعلقہ کئی امور میں ان کے فتاوی صادر ہوئے ہیں اور انہیں اعتماد حاصل ہے۔

پاکستان کے دینی اداروں کے بر عکس یہ مدارس تنظیمی اعتبار سے زیادہ مستحکم اور مالی لحاظ سے بھی کافی حد تک خود کفیل ہیں۔ وہاں کا دینی طبقہ مصری اور ازہری روایت کے ساتھ وابستگی رکھتا ہے۔ نقطہ نظر میں بنیادی اختلاف کے باوجود نہضۃ اور محمدیہ دونوں مکاتب فکر کے انڈونیشی مدارس کے علماء اور اساتذہ کا تعلق الازہر یونیورسٹی سے اچھی طرح قائم ہے۔

محمدیہ تنظیم اگرچہ ایک سلفی جماعت ہے، اس کے باوجود اس میں سلفیت کے وہ سخت گیر عناصر نہیں پائے جاتے جو بعض عرب ملکوں یا پاکستان میں نظر آتے ہیں۔ اس جماعت کے رہنماؤں پر اصل میں ڈاکٹر فضل الرحمان کی فکر کے بھی اثرات ہیں جو ایک پاکستانی عالم تھے، مگر یہاں سے نکال دیے گئے اور شکاگو کی ایک یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے۔ ان کی وفات بھی وہیں ہوئی۔[2]

---

[2] ڈاکٹر فضل الرحمان اسلام کے معروف اسکالر تھے۔ انہوں نے عربی کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں حاصل کی، بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی چلے گئے۔ پہلے ڈرہم یونیورسٹی (Durham University) اور پھر میک گل یونیورسٹی (McGill University) میں چلے گئے جہاں وہ ۱۹۶۱ تک اسلامی علوم پڑھاتے رہے۔ پھر وہ

نہضۃ العلماء کے اوپر امام غزالی کی اخلاقی تعلیمات کا بہت زیادہ اثر ہے۔ ان کی رائے ہے کہ دین کی تعبیر اخلاقیات کے ساتھ ہو گی۔ انسان اور انسانی سماج کو معتدل، روادار اور اچھے اخلاق کا مالک بنانا اہم مقصد ہے۔ وہ حدود اور دیگر ایسے احکامات کو بھی مانتے ہیں، لیکن تنقیذی حیثیت میں وہ حسن اخلاق اور نرم ذرائع کے استعمال کو زیادہ مؤثر سمجھتے ہیں۔

ان جماعتوں نے خالص دینی مدارس بھی بڑی تعداد میں قائم کر رکھے ہیں جو جدید طرز تعلیم کے ساتھ آراستہ ہیں۔ تعلیم اگرچہ مذہبی ہو گی، مگر طریق تدریس اور ماحول وغیرہ عصری اداروں والا ہوتا ہے۔ ان مدارس سے نکلنے والے طلبہ، اسلامی اور عصری تعلیم کے دونوں دھاروں کا فہم رکھتے ہیں، اور بعد ازاں اعلیٰ تعلیم میں اپنے رجحان طبع کے تحت دینی یا دینوی علوم میں سے جس جانب جانا چاہیں سہولت سے جا سکتے ہیں۔ عام سرکاری سکولوں کی بہ نسبت یہاں کے طالب عربی، قرآن اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ سماجی علوم کے وسیع فہم سے بھی روشناس ہوتے ہیں۔ اس لیے مدرسہ سسٹم کے لیے معاشرے میں خاصا احترام پایا جاتا ہے۔

پاکستان آگئے تاکہ اسلامی ریسرچ کے مرکزی انسٹیٹیوٹ کی سربراہی کر سکیں۔ ستمبر ۱۹۶۸ میں اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر یونیورسٹی آف شکاگو امریکا چلے گئے جہاں انہوں نے مشرق قریب پر تحقیقی پروگرام شروع کیا جو اب بھی دنیا کے بہترین پروگراموں میں شمار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمان اسلامی حکومت و معاشرے کی اصلاح کے علمبردار بھی بنے۔ ۱۹۸۸ میں امریکا میں وفات پائی۔ وفات کے بعد ان کی تحریریں دنیا بھر اور بالخصوص مشرق قریب کے علماء اور اہل دانش میں مزید مقبول ہو رہی ہیں۔ یونیورسٹی آف شکاگو میں ان کی خدمات کا ابھی تک اعتراف کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹی میں مرکز برائے مطالعہ مشرق وسطی کو ان سے منسوب کیا گیا ہے۔

نہضۃ علما اور محمد یہ اپنی تحریروں میں بار بار انڈونیشین آئین کے ان پانچ اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی روح پورے آئین میں ہے اور ان کو مقامی طور پہ پانچ اصول (Pancasila) کہتے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ خدا کی وحدانیت

۲۔ ایک عادلانہ اور مہذب انسانی معاشرہ

۳۔ انڈونیشیا کی قومی وحدت

۴۔ انڈونیشین عوام کی مشاورت سے بنی ہوئی جمہوری طرز زندگی

۵۔ سماجی انصاف

یہ بات ہمارے لیے حیران کن تھی کہ بڑی دینی جماعتیں آئین کے ان بنیادی اصولوں کا بار بار حوالہ دیتی ہیں اور یہ اصول نہ صرف مقامی سوچ رکھتے ہیں بلکہ انسانیت کو بھی اپنے دائرے میں لاتے ہیں۔ انڈونیشیا کے علما کے ہاں مذہبی تعبیر کے نمایاں اصول کون سے ہیں۔ یہ جاننے سے قبل دین کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ دینی تعبیر کے مروجہ اُصول

دین، بنیادی طور پہ قرآن اور سنت کا نام ہے۔ دین کی اساس انہی دو چیزوں پر قائم ہے۔ قرآنِ حکیم کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ سنت ہے۔ اس کے علاوہ فقہ کی کتب میں عموماً قیاس اور اجماع کو بھی شامل کیا گیا ہوتا ہے، لیکن وہ دین کے اصل مصادر نہیں ہیں، یہ اجتہاد کے ذرائع کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن و سنت سے

استدلال واستنباط کے لیے بعض دیگر ذرائع بھی استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً: استحسان،استصلاح، تعامل، عرف وعادت، وغیرہ۔ یہ سب اجتہادی ذرائع ہیں، ان کی حیثیت دین کے مآخذ کی نہیں ہے۔ یہ ذیلی مصادر اور ان کی اصطلاحات دراصل فقہاء کرام کی ایجاد کردہ ہیں جو انہوں نے بعد میں رفتہ رفتہ اپنے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق متعارف کروادیں۔ کلاسیکی ادوار میں مسائل کو قرآن وسنت پر ہی پرکھا جاتا تھا۔

قرآن کریم میں جو آیات وارد ہوئی ہیں ان کی تفسیر میں پہلے دیکھا جائے گا کہ استعمال ہونے والے لفظ کی کیا لغوی شرح کی جاسکتی ہے تو تفسیر لغوی معنی کے لحاظ سے کردی جائے گی۔ مثال کے طور بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کا معنی لغت وعرف میں متعین ہے اور ان کی کوئی دوسری شرح کا امکان نہیں تو ایسے الفاظ کو لغوی معانی پر ہی محمول کرلیا جائے گا۔ جیساکہ ماء(پانی)، شجر(درخت)جیسے الفاظ یا پھر ایسی تمام آیات کہ جو مخصوص تشریعی احکامات کے علاوہ نصیحت وتربیت کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ جیساکہ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡکِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِیۡمًا[3]، (اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یادونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو) اب اس آیت میں ایسی کوئی بات یا لفظ نہیں ہے جو عام فہم یا لغوی وعرفی معنی سے ہٹ کر ہو۔ اس طرح کی تمام آیات اپنے لغوی اور عرف کے معنی پر محمول کی جائیں گی۔اس کے علاوہ، بعض وہ الفاظ ہیں جو شریعت کی اپنی اصطلاحات ہیں مثلاً صلوۃ، زکاۃ، حج، صوم، طواف وغیرہ۔ ان الفاظ کے معانی کا تعین کرنا اور ان الفاظ کی وضاحت کرنا صرف

---

[3] سورۃ الاسراء: 23

شریعت کے دائرہ اختیار میں ہے نہ کہ لغت یا عرف کے۔اس قسم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کر دیا ہے۔لہٰذا کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان متعین اصطلاحات کی تعریف لغت کی کتب سے تلاش کرے یا اس میں کچھ اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے اسلوب پر متعدد تفاسیر لکھی گئی ہیں، جن مفسرین کرام نے اس طرز کو اختیار کیا ہے ان میں زرکشی، سیوطی، زرقانی، صابونی اور شاہ ولی وغیرہ جیسے علماء کے نام نمایاں ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جو چیز ایک جگہ مختصر آئی ہے اسکی تفسیر آیات کے ساتھ کی جائے جہاں وہی مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ مثلاً آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ بعض جگہ مختصر آیا ہے اور دوسری جگہ مفصل اور یہی حال موسیٰؑ اور فرعون کے واقعے کا ہے۔اسی طرح تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ مجمل کو مفصل پر محمول کر کے اس کے ساتھ تفسیر کی جائے۔

تفسیر کے اندر ایک اہم پہلو حدیث مبارکہ کا ہے کہ بعض آیات ایسی ہیں جن کی توضیح احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔مثال کے طور پہ ایک آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ[4]

(جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے بچاتے رہے ان کو امن ہوگا اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں)

---

[4] سورۃ الانعام: 82

اس آیت میں لفظ ظلم بہ ظاہر زیادتی کے معنی پر محمول ہے اور اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرتے ہوئے اس سے ہر چھوٹا بڑا ظلم مراد سمجھ لیا تھا۔ مگر ان کا یہ فہم صحیح نہیں تھا۔ انہیں اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا کہ "یا رسول اللہؐ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس کے ایمان میں ظلم کا شائبہ نہیں ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم کا عام مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے شرک مراد ہے۔ کیا تم کو حضرت لقمان کا قول معلوم نہیں کہ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ[5] یعنی "شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔[6]

تعبیرِ دین کے اصول کے طور پر قرآن وحدیث کے بعد اقوالِ صحابہؓ وتابعین کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال کو دیکھا جائے گا، اگر انہوں نے کوئی شرح کی ہے تو راجح ہو گی:

إذا تكلم صحابي في آية ولم يعلم أحد من الصحابة رضي الله عنهم خالفه لم يسع مخالفته لأنهم أعلم بالتنزيل والتأويل۔[٧]

(جب ایک صحابی کسی آیت کی تفسیر بیان کرے اور اس کی مخالفت دوسرے صحابہ میں سے کسی سے معلوم نہ ہو تو ایسی تفسیر کی مخالفت کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی کیوں کہ صحابہ کرامؓ تنزیل وتفسیرِ قرآن کو زیادہ جاننے والے تھے)

---

[5] سورۃ لقمان: 13

[6] صحیح بخاری، رقم الحدیث: 4629

[7] امام ابو جعفر النحاس، الناسخ والمنسوخ، 687

صحابہ کی ایک بڑی جماعت علم تفسیر کی خدمت کے لیے مصروف رہی ان میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کو امتیازی شان حاصل ہے، اسی بناپر انہیں ترجمان القرآن اور امام المتقدمینکہا جاتاہے۔ حافظ ابن حجر ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے کئی واسطوں سے ان کی بہت سی روایات لی ہیں۔

صحابہ کرام نے مختلف مقامات پر قرآن کریم کے درس کا سلسلہ جاری رکھا،ان کی تعلیم و تربیت سے تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔ تابعین کی کثیر تعداد نے مشہور مفسرین صحابہ سے کسب فیض کیا۔ان میں سعید ابن جبیر سر فہرست ہیں جنہیں حدیث و تفسیر و فقہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔یہ مشہور صحابہ کے شاگرد ہیں۔ خصوصی طور پر حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے دامن سے وابستہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے طائف میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھااور وہیں دفن ہوئے۔

اس منہج کو تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے، جسے امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اپنایا ہے کہ انہوں نے اسلاف امت کے اقوال جمع کر دیے ہیں۔ بعد میں اہل علم نے ان ذرائع کے علاوہ، تفسیر بالرائی بھی اختیار کرلی۔ یہ وہ تفسیر ہے جو اجتہاد کے ذریعے کی جاتی ہے، لیکن اسکے لیے شرط یہ ہے کہ مفسر کلام عرب، عربی الفاظ اور انکی اوجہ دلالیہ سے،اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ وغیرہ جیسے امور کی معرفت رکھتا ہو۔ میری رائے میں تفسیر ماثور بھی اصل میں تفسیر بالرائے ہی ہے، کیونکہ اس میں بھی پرانے علماء کی آراء ہیں۔ یہ نکتہ غور طلب ہے۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ذریعے ہمارے روایتی علما قرآن و حدیث کے متن کی تعبیر کرتے ہیں مگر انڈونیشیامیں تعبیر کے اصول ان کے علاوہ بھی ہیں جو زیادہ تر

مقاصد شریعت کے حوالے سے ہیں۔

۴۔ مقاصد شریعت کی اہمیت

بعد کے ادوار میں بعض علماء امت کو یہ محسوس ہوا کہ ہمیں قرآن و حدیث کے بنیادی مآخذ میں جو احکامات عطا کیے گئے ہیں، ان کے جوہر اور مقاصد کی کھوج لگائی جائے کہ جن کی رعایت یا بقا شریعت میں دراصل مقصود ہے۔ اسے جدید قانون کی زبان میں مقاصدِ شریعت(objectives of shariah) کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے امام الحرمین جوینی (وفات: ۱۰۸۵ء) نے یہ اصطلاح استعمال کی۔ امام جوینی کے شاگرد امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر اشارات دیے ہیں۔ ہر چند کہ ماضی میں کئی مسلم مفکرین نے اصولی، عقائدی، سیاسی اور اجتہادی مقاصد پر کلام کیا تھا لیکن اس کی زیادہ پذیرائی امام شاطبیؒ کی الموافقات کے شائع ہونے کے بعد ہوئی، امام شاطبیؒ کے بعد طاہر بن عاشور نے اس کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ معاصر علماء میں سے ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی کتاب ''شریعۃ الاسلام'' کی ایک فصل ''الشریعۃ الخالدۃ واوضاعھا المتجددۃ'' میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے اور راس میں مقاصد پر بحث کی ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی کتاب 'مقاصدِ شریعت' ایک اہم کوشش ہے۔

قدیم مقاصدی فقہاء کے مطابق، پوری شریعت درج ذیل پانچ چیزوں کے تحفظ کی غرض سے قائم کی گئی ہے: تحفظ دین، تحفظ جان/نفس، تحفظ عقل، تحفظ نسل، تحفظ مال۔ قرآن وحدیث کے تمام احکامات کا اصل اور انتہائی ہدف یہی امور ہیں۔ بعد میں فقہاء نے وقت کے ساتھ ان میں اضافے بھی کیے۔

مقاصد شریعت کی بطور ایک مستقل فن تعریف و تشریح اگرچہ بعد میں ہوئی ہے لیکن عملاً اس کا وجود اتنا قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام۔ قرآن کریم میں اکثر فرامین الٰہیہ کے ساتھ مقصد و غایت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ طرز کلام دلالت کرتا ہے کہ شریعت میں مقاصد کا کیا مقام ہے۔ رسول کیوں مبعوث کئے، آسمان سے کتابیں کس لیے نازل کی گئیں، کائنات اور زندگی کا ظہور کیا اسباب و مصالح رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی عقائد واحکامات کی وجوہات بیان کی گئیں کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ قرآن کے اس منہج کا ہدف صرف یہ ہے کہ انسانی عقل کو مطمئن کیا جا سکے۔ اگرچہ ایک اصول کے تحت تو یہ منہج بعد کے فقہاء کے ہاں مرتب ہوا، مگر جزوی طور پہ مسائل کی حد تک مقاصد کی رعایت صحابہ کرام اور تابعین کے اجتہاد میں بھی ملتی ہے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

الصحابہ الذین عرفوا مقاصد الشریعه فحصلوها واسّسوا قواعدها واصولها ،وجالت افکارهم فی آیا تها واعملوا الجهد فی تحقیق مبادئها وغایا تها،فصاروا خاصة الخاصة ولّب اللباب ونجوماً یهتدی بانوارهم اولوالالباب[8]

(صحابہ کرام وہ ہستیاں تھیں جنھوں نے مقاصد شریعت کا ادراک کیا اور ان کے اصول وضوابط تک رسائی حاصل کی۔ ان کی فکر نے مقاصد کے اوصاف کو پہچانا اور انکے مبادی وغایات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جدوجہد کی، اسی وجہ سے وہ منتخب و مختار طبقہ ٹھہرے، ایسے نجوم کہلائے جن سے عقل والے ہدایت کا نور حاصل کرتے ہیں)

حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے:

---

[8] الموافقات، 2/1

ان احکام اللہ تعالی لھا غایات ھی حکم و مصالح راجعة الینا[9]
(احکام الہیہ کے مقاصد وغایات ہیں جنہیں حکمتیں اور مصالح کہا جاتا ہے اور ان سے انسانوں کا مفاد مطلوب ہوتا ہے)

۵۔ انڈونیشیا میں تعبیرِ دین کے اصول

یہ تو تفہیمِ دین کے وہ عمومی مصادر واصول ہیں جو اصول فقہ کی علمی مباحث کے زمرے میں آتے ہیں، اور تعبیرِ دین کے ذرائع ہیں۔انڈونیشیا میں بھی تعبیر دین میں انہی اصولوں کی رعایت کی جاتی ہے۔البتہ اس کے ساتھ وہ تفہیمِ دین کے ایسے اصولوں پر بھی یقین رکھتے ہیں جو شریعت کے مقاصدی وانسانی مصلحتی پہلو کا حصہ ہیں۔نڈونیشی علما اجتہاد کو لازمی سمجھتے ہیں اور اسی لیے مقاصدِ شریعہ کو بہ طور ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔

(ا) رحمت

دین کا ایک اہم اصول رحمت ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔[10]
(ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

اگرچہ یہاں حوالے کے لیے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے، مگر حمت کا یہ مصداق عمومی حیثیت میں سارا دین ہے۔یعنی کہ یہ دین اسلام تمام جہان کے لیے رحمت ہے۔

---

[9] ابن رشد وعلوم الشریعہ، حمادی العبیدی، 102

[10] سورۃ الانبیاء: 107

رحمت سے مراد افادہ عام ہے۔ افادے اور رحمت کی شکلیں ہر مخلوق اور ہر شعبے کے لیے موجود ہیں۔ ہم نے ماحول کو صاف رکھنا ہے، یہ بھی رحمت کی صورت ہے۔ جانوروں کو تکلیف نہیں دینی۔ غیر مسلموں سے بھی بہ طور انسان اچھا برتاؤ کرنا ہے۔ مجادلہ اور لڑائی نہیں کرنی۔ لہذا وہ اس کو ایک وسیع مفہوم میں لیتے ہیں اور راس پر تکثیریت پسندی کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اسی لیے انڈونیشیا میں عام طور پر یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کہ 'اسلام رحمت للعالمین' ہے۔ پہلے تو یہ اصطلاح مجھے بہت عجیب لگی، مگر جوں جوں غور کرتا چلا گیا دل نورِ ایمان سے بھرتا چلا گیا۔

(۲) آفاقیت

ان کے نزدیک تعبیر دین کا ایک اور اہم اصول آفاقیت اور انسان دوستی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خالصتاً انسانی بنیادوں پر تشکیل معاشرہ کا عمل اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کی جدوجہد کے نتیجے میں جو پہلا سماج مدینہ منورہ میں قائم ہوا، اس کا بنیادی مقصد ہی بلا تفریق، رنگ، نسل اور مذہب تکریم انسانیت اور انہیں انسانی حقوق کی فراہمی تھا۔ یہی وجہ ہے اس ریاستی نظام کی تشکیل اور اس کے سیاسی و معاشی ثمرات کے حصول میں مہاجرین وانصار کے ساتھ ساتھ مدینہ کے غیر مسلم قبائل بھی یکساں طور پر شریک رہے۔ دعوت کی بنیاد اسلامی عالمگیریت پر ہے جو تمام بنی نوع انسان کی ابتدا، فطرت اور مقصد کے اشتراک کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ ادراک قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔ [11]

---

[11] سورۃ الاسراء: 70

(اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بہت سی برتری دی)

يَآَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ۔ [۱۲]

(اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ [13]۔

(اور ہم نے آپ کو جو بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

انڈونیشی علما کے نزدیک قرآن پاک کی یہ آیات ہمیں سبق دیتی ہیں کہ اسلام ایک آفاقی دن ہے۔ اس لیے اس کی تعبیر بھی آفاقی ہو گی اور سب ممالک، طبقات، مذاہب کے لیے یکساں ہو گی۔

(۳) وسطیت

انڈونیشیا کے اہل علم طبقے میں تعبیر دین کا ایک اور اصول اعتدال اور وسطیت ہے۔ افراط و تفریط سے احتراز کیا جائے گا۔ یہی عدل ہے۔ عدل قائم رکھنے یا افراط و تفریط سے بچنے کا اطلاق اس پر بھی ہو گا کہ تعبیر دین میں صنفی یا گروہی تعصب کو نہیں آنے دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

---

[12] سورۃ البقرۃ:21

[13] سورۃ سبا:28

وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔[14]

(اسی طرح ہم نے تمہیں اعتدال والی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاو)

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر الأمور أوسطھا۔

(بہترین کام وہ ہیں جن میں میانہ روی اختیار کی جائے)

قرآن تمام مسلمانوں کو افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ پر گامزن رہنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ بات سمجھاتا ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کی راہ اعتدال ہے۔ عدل یا اعتدال کا صریح تقاضا یہ بھی ہے کہ دین اور دینی تعبیرات کو عام اور مساوی رکھا جائے۔

(۴) عرف کی رعایت

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ احکامات میں زمان و مکان اور عرف کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی کہ دین کی حرفی تعبیر نہیں کی جائے گی، بلکہ جہاں ممکن ہو، وہاں زمان و مکان اور عرف کی بھی رعایت رکھی جائے گی۔ وہ علماء جن کا کام دینی مسائل میں راہنمائی کرنا ہوتا ہے ان پر فرض ہے کہ وہ زمانی حاجت اور مصلحتِ عامہ کا اصول اپنے ذہن میں رکھیں اور اسی کے آئینے میں احکامات کا استخراج کریں۔ امام شافعی جب بغداد میں تھے تو ان کی فقہ الگ تھی، اور جب آپ قاہرہ گئے تو بہت امور میں تبدیلی آگئی۔ امام شاطبؒ فرماتے ہیں کہ مفتی فتویٰ دیتے وقت حالات کے انجام اور نتائج کو بھی مدّ نظر رکھے اگر کوئی حکم نقصان کا باعث بنے تو اسے صادر کرنے سے گریز کرے۔ احمد الریسونی انکی رائے نقل

---

[14] سورۃ البقرہ: 143

کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان المجتهد حين يجتهد ويحكم ويفتي عليه ان يقدّر مآلات الافعال ويقدر عواقب حكمه وفتواه،وان لا يعتبر انّ مهمّته تنحصر في اعطاء الحكم الشرعي بل مهمّته ان يحكم في الفعل وهو يستحضر مآله او مآلاته وان يصدر الحكم وهو ناظر الى اثره او آثاره،فاذا لم يفعل فهو اما قاصر عن درجة الاجتهاد او مقصر فيها[15]

"مجتہد جب اجتہاد کے بعد کوئی حکم یا فتوی صادر کرتا ہے تو اس وقت اس پر لازم ہے کہ وہ فتوی کے نتائج اور عواقب کو بھی ذہن میں رکھے،وہ یہ نہ خیال کرے کہ اس کا کام صرف شرعی حکم صادر کرنا ہے،اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ یہ سامنے رکھے کہ اس فتوے کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ مجتہد اگر ایسا نہیں کرتا تو وہ اجتہاد کی شرائط پر پورا نہیں اترتا یا پھر وہ جان بوجھ کر کوتاہی کر رہا ہے"۔

(۵) صنفی مساوات

دین کے جتنے اور جو بھی احکامات ہیں ان میں مرد اور عورت کو مساوی حیثیت حاصل ہے ،اور وہ ان احکامات کے برابر مخاطب ہیں۔ مثال کے طور پہ قرآن کریم میں مردوں کو قوام کہا گیا ہے۔ ان کے مطابق قوام کا تناظر ثقافتی اور وقتی ہے۔ یہ محض مرد کی حتمی حیثیت نہیں ہے۔ ان کے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم کی کسی عمومی آیت کی کوئی ایسی تعبیر نہیں کریں گے جو صرف مرد کے لیے یا صرف خاتون کے لیے مخصوص ہو۔ اس لیے کہ خدا انسان کے لیے ہے۔ بلکہ وہ یہ جملہ استعمال کرتے ہیں کہ خدا کی کوئی

---

[15] نظریۃ المقاصد عند الشاطبیؒ،احمد الریسونی،302

ذات تو نہیں ہے، کہ وہ مرد ہو۔اس لیے تعبیر دین مساوی ہو گی۔وہ 'قوام' کے ذیل میں یہ بتاتے ہیں کہ اس کے اطلاقی معنی میں دونوں اصناف شامل ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے مفاد کا خیال رکھیں گے۔دونوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچایا جائے گا۔کوئی بھی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جو کسی ایک صنف کے لیے تعصب یا جانبداری پر مبنی ہو۔

اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ان کی اس تقریر کے بعد ہمارے وفد کے ایک عالم دین نے سوال کیا کہ قرآن مجید میں تو لکھا ہے کہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔[16]

(مرد خواتین پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ پاک نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے)

جبکہ آپ کی تعبیرات میں برابری نظر آرہی ہے۔کیا یہ اسلام کی رو سے صحیح ہے۔ڈاکٹر عالمہ نے بہت اچھی طرح سے اس کی وضاحت کی کہ یہاں مرد قوام اس لیے ہے کہ وہ خواتین کی مالی کفالت کرتا ہے اور اگر ایک عورت مرد کی کفالت کرتی ہے تو قران مجید کے بقول وہ قوام بن جائے گی اور عہد حاضر میں حقوق انسانی نے عورت کو ایک مکمل انسان تسلیم کر لیا ہے اور یہ عرف ہے جو اسلام کے مطابق ہے۔اس لیے ہمیں عورت اور مرد میں برابری کرنا ہے۔ نصوص کی تعبیر کے یہ اصول نہ صرف نئے ہیں بلکہ بہت اہم ہیں۔یعنی کہ قرآن پاک اور جدت کی ایسی تعبیر کی جائے گی جس میں مرد اور عورت

---

[16] النساء، 34:

کی برابری اور باہمی مفاد ہوگا اور وہ عہد حاضر کے عرف کے مطابق ہو۔ ہمارے علما اور فقہا کو اس طرز تعبیر پر بہت سنجیدہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۶) بین الاقوامی معاہدات کی رعایت

دنیا میں بہت سے ایسے عالمی قوانین یا معاہدات ہوتے ہیں جو تمام انسانوں کی بلاامتیاز بہبود کے لیے ناگزیر سمجھے جاتے ہیں اور اس میں ممالک یا معاشروں کی تقسیم یا فرق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور اقوام متحدہ کا تشدد کی روک تھام کے لیے ایک معاہدہ ہے Convention Against Torture، یہ دنیا میں غیر انسانی سزاؤں اور تشدد کو روکنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس طرح کے کئی بین الاقوامی معاہدات ہیں۔ انڈونیشی علماء اس طرح کے معاہدات کو شرعی بنیاد فراہم کرتے ہوئے ان کی حمایت کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک یا اداروں کے ایسے قوانین جو انسانی نوعیت کے ہوں، یا شرعی طور پہ وہ غلط نہ ہوں، بلکہ وہ ناگزیر ہو جائیں تو انہیں اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے زراعت و مالیاتی قانون میں شامی، مصری اور ایرانی قانون کی پیروی کی، رجسٹر اور حسابات رکھنے کے طریقے ان سے اخذ کیے، غیر اسلامی حکومتوں کے تاجروں پر اتنا محصول عائد کیا جتنا کہ ان کی حکومتیں مسلمان تاجروں پر عائد کیا کرتی تھیں۔ اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی مقرر کردہ حدود کے اندر دوسرے ممالک کے قانون سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی میں بین الاقوامی معاہدات بھی آجاتے ہیں۔

(۷) شریعت کی حدود

تاریخ اور سیر کی کتب میں وارد ہونے والی ہر روایت اور فقہ کی کتب میں مذکور ہر مسئلہ شریعت نہیں ہے۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سے صادر ہونے والے ہر قول و فعل کو قطعی شرعی حکم سمجھنا بھی غلطی ہے، بعض امور کا تعلق وقتی سیاسی اجتہاد سے تھا، بعض چیزیں اخلاقی تربیت کے لیے تھیں، جبکہ بعض دیگر کی حیثیت شرعی حکم کی تھی۔ لہذا ان درجات کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کا جس طرح سے ایک نبوی تبلیغی پہلو ہے کہ جس میں آپ ﷺ وحی الٰہی کے پابند ہوتے ہیں، اس میں نہ آپ ﷺ تبدیلی کر سکتے ہیں اور نہ امّتِ مسلمہ کا کوئی فرد اجتہاد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایسے احکامات ابدی اور ناقابلِ تغیر ہیں، کسی بھی عہد میں کسی بھی مصلحت کی بنیاد پر ان مین رد و بدل کی گنجائش نہیں ہے، جبکہ بعض افعال احکامات ایسے ہیں جنمیں اجتہاد کیا جا سکتا ہے اور حالات کے پیش نظر ان میں تبدیلی کی حاجت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ بعض فرامین وحی الٰہی کا جز نہیں ہیں، ایسے ارشادات و اعمال بطورِ انسان اور منتظم آپ ﷺ کی ذات سے صادر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ضرورت کے وقت مسلمان ان میں اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔ مثلاً غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ کا اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ گدھوں کے گوشت کھانے کی نہی "نہیِ تشریعی" ہے یا اس کا تعلق مصلحت سے تھا۔ کیونکہ غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی سواریاں کم پڑ گئی تھیں آپ ﷺ کو خدشہ تھا کہ اگر انہیں ذبح کر دیا گیا تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا اس لیے بعض صحابہ اکرامؓ کا خیال تھا کہ یہ نہی نہیِ تشریعی نہیں تھی بلکہ اس کا منشاء ضرورت و مصلحت تھی۔ اگرچہ حدیث مبارکہ میں عموم ہے اور اس میں کوئی قید موجود نہیں ہے لیکن جس موقع پر یہ نہی وارد

ہوئی اس وقت نہی کا متوقع سبب بھی موجود تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ نے شارع کے حکم کو ضرورت و مصلحت پر محمول کرتے ہوئے گدھوں کے گوشت کو حلال سمجھا۔

(۸) سنت کی اقسام

انڈونیشین علماء سنت کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر اس کی اقسام کرتے ہیں۔ اس کی تفہیم سنت حضرت امام شافعیؒ سے ہے اور ہمارے حضرت شاہ ولی نے بھی کچھ ایسی ہی تعبیر کی ہے۔ ان دونوں علما کے نزدیک احادیث / سنت دو طرح کی ہیں:

(i) وہ احادیث / سنن جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے اور جن کا مقصد اللہ پاک کا پیغام پہنچانا ہے۔ ان احادیث میں ایمانیات، عبادات اور اخلاقیات شامل ہیں۔ ان میں بعض کا تعلق وحی سے ہے مگر بعض کا حضور نبی کریم ﷺ کے اجتہاد سے۔ آپ ﷺ کا اجتہاد بھی ہم پر لازم ہے۔

(ii) وہ احادیث / سنن جو پیغام رسانی / نبوت سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ دنیاوی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال حضور نبی پاک ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جو کھجور کو گابھا دینے سے متعلق ہیں:

(ا) جب حضور نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ کھجوروں کو گابھا دیتے ہیں۔ یعنی نر درخت کے پھول مادہ کے پھول میں رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا کرتے ہو؟ بتایا گیا کہ ہم ایسا کرتے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم

یہ نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے عمل موقوف کر دیا مگر اس سال پھل کم رہا۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ایک انسان ہی ہوں۔ جب تمہیں کسی دینی معاملہ میں حکم دوں تو اسے لے لو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں ایک انسان ہی ہوں۔ یعنی اس حکم کو لینا ضروری نہیں جیسے کسی بھی انسان کے حکم کو لینا ضروری نہیں[17]۔

(ب) حضور نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جو کھجوروں کے درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ بتایا گیا کہ کھجوروں کو گابھا دے رہے ہیں۔ نر کے پھول کو مادہ کے پھول میں داخل کرتے ہیں تو وہ گابھن ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے خیال میں تو یہ ایک بے فائدہ عمل ہے۔ سامعین نے یہ بات عاملین کو پہنچائی تو انہوں نے یہ کام کرنا چھوڑ دیا۔ مگر اس سال کھجوروں کے دانے چھوٹے رہے۔ اس کی آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر یہ عمل مفید ہو تو لوگ کریں۔ میں نے بس ایک گمان کیا تھا (یعنی رائے سے بات کہی تھی کوئی شرعی حکم نہیں دیا تھا) پس تم گمان کے سلسلہ میں میرا مؤاخذہ نہ کرو (کہ نبی کی بات غلط کیسے ہو گئی؟) البتہ جب میں اللہ پاک کی طرف سے تم سے کوئی بات کہوں (شرعی حکم دوں) تو اس کو لے لو کیونکہ میں اللہ پاک پر جھوٹ نہیں

---

[17] صحیح مسلم

لگاتا[18]۔

(ت) اسی گابھا دینے کے معاملہ میں حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے دنیوی معاملات کو بہتر جانتے ہو[19]۔

یہ تینوں روایتیں امام مسلمؒ نے کتاب الفضائل میں ذکر کی ہیں۔ اس قسم میں درج ذیل پانچ طرح کی روایات آتی ہیں:

i. علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات۔ یہ روایات کتب حدیث میں ابواب الطب کے عنوان سے ذکر کی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ روایت جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے اچھے برے گھوڑوں کی پہچان بتائی ہے وہ بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتی ہیں[20]۔ اس قسم کی روایات کا مدار تجربہ پر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے پرکھ کہ بنیاد پر یہ باتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ ایسے احکام شرعیہ نہیں ہیں جن پر عمل واجب ہوتا ہے۔

ii. امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں حضور نبی پاک ﷺ کے ایسے کاموں کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ نے عادت کے طور پر کیے ہیں، عبادات کے طور پر نہیں کئے، اتفاقاً کئے ہیں، بالقصد نہیں کئے۔ جیسے چمڑے کے دستر خوان پر کھانا، لکڑی کے پیالے میں پینا اور کھجور کے درخت کی چھال بھرے بستر پر

---

[18] صحیح مسلم

[19] صحیح مسلم

[20] جامع ترمذی، ابواب الجہاد

سوناوغیرہ۔

iii. مروجہ عام باتیں یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جس قسم کی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں جیسے

(اُ) حدیث ام زرع جس میں حضور نبی پاک ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی گیارہ عورتوں کی اپنے شوہروں کے بارے میں گفتگو نقل کی ہے[21]۔

(ب) حدیث خرافہ: ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کے سامنے کوئی دلچسپ بات بیان فرمائی تو ایک بیوی صاحبہ نے عرض کیا یہ بات تو خرافہ کی باتوں جیسی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتی ہو کہ خرافہ کون تھا؟ وہ قبیلہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس کو جنات گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ عرصہ دراز تک وہ ان کے یہاں رہا۔ پھر اس کو وہ انسانوں میں چھوڑ گئے تو وہ لوگوں سے وہاں کے عجائبات بیان کرتا تھا۔ اسی وقت سے یہ محاورہ چل پڑا ہے[22]۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ دلچسپ باتیں بھی لوگوں کو سناتے تھے مگر وہ برحق ہوتی تھیں۔ جھوٹ، فسانہ یا غلط بات کوئی نہیں ہوتی تھی البتہ وہ کوئی امر شرعی نہیں ہوتی تھیں۔

(ت) چند آدمی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ ہم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کیجیے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ

---

[21] صحیح بخاری، کتاب النکاح

[22] مسند امام احمد بن حنبل، شمائل ترمذی

عنہ نے فرمایا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بلا بھیجتے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس کو لکھ لیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہم دنیا کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے اور جب ہم آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے اور جب ہم کھانے کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ساری باتیں میں تم سے بیان کروں؟ یعنی کوئی موضوع متعین کرو تو اس سلسلہ کا ارشاد سناؤں۔ عام سوال کا جواب کیسے دوں[23]؟ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام باتوں میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

i. ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات مذکور ہو جس کا تعلق اس وقت کی خاص مصلحت سے ہو وہ تمام امت کے لیے لازم نہ ہو۔ ان ارشادات کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ میدان جنگ میں لشکر کی تنظیم و ترتیب کے بارے میں ہدایات دیتا ہے یا دوران جنگ کے لیے کوئی شعار مقرر کرتا ہے۔ یہ احکام وقتی ہوتے ہیں بلکہ اسی جنگ میں جس میں احکامات دیئے گئے ہیں، کوئی مناسب مشورہ سامنے آئے تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے اور احکام بدل دیئے جاتے ہیں۔ جیسے جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو ایک جگہ اترنے کا حکم دیا۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اس جگہ کا انتخاب حکم خداوندی سے ہے یا یہ ایک

---

[23] شمائل ترمذی

جنگی تدبیر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک جنگی تدبیر ہے۔ حضرت حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: پھر یہ جگہ مناسب نہیں۔ فلاں جگہ مناسب ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے ٹھیک مشورہ دیا ہے[24]۔

ii. کوئی خاص حکم اور فیصلہ کیونکہ ایسے احکام میں گواہیوں اور قسموں ہی کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ پس اگر وہ بدل جائیں یا ان سے قوی ذریعہ معلومات سامنے آئے تو حکم بھی بدل جائے گا[25]۔

iii. اس طرح کی بات امام ابن قتیبہؒ نے بھی کی ہے اور اس کی زیادہ تفصیل امام شاطبیؒ کے ہاں مل جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ان تمام قسم کی احادیث / سنن کو عام طور پر ایک قسم سمجھا جاتا ہے مگر انڈونیشی علما احادیث / سنن کی اس تفریق کو مانتے ہیں اور ان کا عمل بھی ان کے مطابق ہے۔ اس لیے انڈونیشی علما عام طور پر مغربی لباس / مقامی لباس پہنتے ہیں۔ داڑھی نہیں رکھتے چونکہ ان کے ہاں حضور نبی پاک ﷺ کا لباس اور داڑھی سنت تشریعی نہ تھی بلکہ سنت عادیہ تھی۔

یہ کچھ ایسے اصول ہیں کہ انڈونیشی علما اپنی تعبیرِ دین میں جن کی رعایت رکھتے ہیں۔ یہ وہ امور ہیں کہ مذہبی مسائل کے تعین و تنفیذ کے وقت وہ جن کا لحاظ رکھتے ہیں جس کی وجہ

---

[24] البدایہ والنہائیہ، ج:3، ص:267

[25] رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ، ج:2، ص:448

سے ان کی دینی تعبیر نہ صرف معاشرے میں قبول کی جارہی ہے بلکہ اس سے امن اور ترقی ملی ہے۔

٦۔ فکری اجتہاد کی ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی میں ثبات و تغیر ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں یہ امر اسلام کے بارے میں بھی ایک حقیقت کے طور پہ موجود ہے۔ بعض اصول مستقل نوعیت کے ہیں اور انہیں قرآنی اصطلاحات میں 'محکمات' کہا جاتا ہے۔ جیسے توحید، نبوت، آخرت اور انسانی وقار، یہ دائمی ہیں۔ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہو سکتا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔اس دائمیت کے ساتھ ساتھ بعض ایسی چیزیں ہیں جن میں زمانہ گزرنے سے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں بنی نوع انسان کی بقاء اور ارتقاء کے لیے بہت ضروری ہیں۔اسلام نے تبدیلیوں سے عہدہ برائی کے لیے اجتہاد کا تصور دیا ہے تاکہ ہم تہذیب انسانی کی تیز رفتار پیش قدمی کا ساتھ دے سکیں۔ یہ تبدیلیاں سائنسی، معاشرتی ،اقتصادی اور فلسفیانہ آراء کے ارتقاء کی روشنی میں ہو رہی ہیں۔نامور سیاستدان و مدبر ،شاعر اور سکالر علامہ اقبال اس تصورِ اجتہاد کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

'ہمہ قسم کی زندگی کی حتمی روحانی بنیاد جیسا کہ اسلام نے متشکل کی ہے لافانی ہے اور اپنا اظہار تنوع اور تغیر میں کرتی ہے۔ حقیقت کے ایسے تصور پر مبنی معاشرے کو اپنی زندگی میں دوام اور تغیر کی اقسام کے ساتھ لازماً ہم آہنگی اختیار کرنی چاہیے۔اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کو باقاعدہ باضابطہ بنانے کے لیے لازماً غیر متبدل اصول ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ان کا غیر متبدل ہونا مسلسل متغیر ہونے والی دنیا میں ہمیں قدم جمانے

کی جگہ مہیا کرتا ہے۔ دائمی اصولوں کے بارے میں جب یہ سمجھ لیا جائے کہ انہوں نے تغیر کے جملہ امکانات کو خارج کر دیا ہے جو کہ از روئے قرآن کریم اللہ تعالی کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے تو یہ ایک ایسا میلان ہوتا ہے جو اس چیز کو ساکن کر دیتا ہے جو اپنی فطرت میں اساسی طور پہ متحرک ہوتا ہے۔ یورپ کی سیاسی اور معاشرتی علوم میں ناکامی اول الذکر اصول کا اظہار کرتی ہے، جبکہ اسلام میں جمود جو کہ گزشتہ پانچ سو سال رہا، مؤخر الذکر اصول کا اظہار کرتا ہے۔ پھر اسلام کی ساخت میں جو اصولِ حرکت ہے اسے اجتہاد کہا جاتا ہے۔

اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ نیا مذہب تخلیق کیا جارہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کے مستقل اصولوں کی تعبیر کرنا اور انہیں ہر عہد میں لاگو کرنا ہے۔ اجتہاد محض ایک فنی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ انسانی ضرورت اور زمانے کا تقاضا ہے۔ حضرت ابو اسحاق شاطبیؒ نے اپنی معروف کتاب 'الموافقات' میں لکھا ہے کہ اجتہاد کی ضرورت تاقیامت رہے گی۔ کیونکہ انسان نے شریعت پر عمل کرنا ہے (الموافقات فی اصول الشریعہ :63) شریعت بنیادی اور وسیع تر اصول فراہم کرتی ہے لیکن چیزیں زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور نئے نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔ ایسے مسائل کے حل کے لیے شریعہ کے بنیادی اور وسیع اصولوں کی نئی تعبیر اور ان کے اطلاق کے طریقوں کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔

ہمیں عہد حاضر میں عمومی اور کلی اجتہاد کی ضرورت ہے، جس کے نتیجے میں فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید کی ضرورت ہے۔ حضرت اقبال نے ۱۹۲۹ء میں اپنی کتاب "فکر اسلامی

تشکیل جدید"[26] میں اس عظیم کام کو شروع کیا۔ عہد حاضر شدید تقاضا کرتا ہے کہ اس تشکیل جدید کے عمل کو جلد از جلد آگے بڑھایا جائے تشکیل جدید کلی اجتہاد سے ہوتی ہے۔

اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب شخصیت پرستی ہے۔ مسلمان سابق ادوار کی شخصیات کے فیصلوں اور ان کی آراء سے انحراف نہیں چاہتے۔ وہ ذہنی اور علمی تنقید کی حوصلہ فنزائی نہیں کرتے اور نہ اس کی حمایت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس قسم کا طرز عمل اسلام کے دور اول میں نہیں ملتا۔ ہماری فقہ کی ابتدائی تاریخ ایسی عصبیت کی عکاسی نہیں کرتی حالانکہ اول اسلام ایسا نہ تھا۔ اول فقہ میں ایسا نہ تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگردوں نے پچاسی فیصد معاملات میں استاد سے اختلاف کیا اور آج کل فقہ حنفی امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی آراء پر قائم ہے[27]۔ شاید اس سے بھی زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اس امر کی کافی مثالیں ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کر کے آپ ﷺ سے تبادلہ خیال کیا اور اپنی آراء پیش کیں۔

جہاں اجتہاد نہیں ہوتا وہاں زوال بلکہ تباہی آتی ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی ترکوں کی سلطنت کے زوال کے اسباب بارے لکھتے ہیں:

> "سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوتا وہ جمود تھا۔ جمود بھی دونوں طرح کا۔ علم و تعلیم میں میں بھی جمود اور فنونِ جنگ اور عسکری

---

[26] The Reconstruction of Religious Thought in Islam

[27] خطبات بہاولپور، ص:92

تنظیم و ترقی میں بھی جمود۔ قرآن مجید کی آیت (الانفال: ۶۰) انہوں نے بالکل فراموش کر دی: مسلمانوں، جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ تعالی کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو اور حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ان کے حافظہ سے گویا محو ہو گیا تھا کہ "دانائی کی بات مؤمن کا گم شدہ مال ہے، جہاں اس کو مل جائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے"[28]۔ ایسی حالت میں کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ ان کو فاتح مصر حضرت عمو بن العاص ؓ کی وصیت ہمیشہ پیش نظر رکنی چاہیے تھی جو انہووں نے مصر کے مسلمانوں کو دی تھی کہ اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو۔ ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہو۔ اس لیے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں"۔

علمی جمود اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی اور اس کے دینی و علمی حلقوں کی خصوصیت نہیں تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار ہے۔ دماغ تھکے تھکے سے اور طبیعتیں بجھی بجھی سی نظر آتی ہیں۔ اگر ہم احتیاطاً آٹھویں صدی ہجری سے اس ذہنی اضمحلال کی ابتدا نہ کریں تو اس میں شک نہیں

---

[28] کنز العمال، رقم الحدیث: 8542

کہ نویں صدی ہجری وہ آخری صدی ہجری تھی جب جدتِ فکر، قوتِ اجتہاد اور ادب و شاعری، حکمت و فن میں ندرت اور تخلیق کے آثار نظر آتے ہیں۔

آج کے دور میں انڈونیشی تعبیر کو بہت اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ یہ مسلم دنیا، بالخصوص پاکستانی مذہبی طبقے کے لیے ایک نمونہ ہے جس سے ہم سیکھ سکتے ہیں کہ عصر حاضر میں کس طرح عوامی سطح پر دین اور دینی ادار کو مقبول بنائے رکھنا ہے، کس طرح لوگوں کو دین کے ساتھ جوڑ کے رکھنا ہے، رواداری کو جگہ دینی ہے اور غیر امتیازی معاشرے کی تشکیل کرنی ہے۔ دیکھا جائے تو انڈونیشی علما اور عوام دین کی کسی نص کی مخالفت نہیں کرتے، کسی مظہر کو پس پشت نہیں ڈالتے۔ اس کے ساتھ مگر انہوں نے ایسے مذہبی فہم کو فروغ دیا ہے جس میں توسع ہے اور بے جا سختی نہیں ہے اور وہ عصری تقاضے پورے کرتی ہے۔ ان کی اسی تفہیم کے سبب معاشرے میں اسلام کا احترام کیا جاتا ہے، سماج میں توازن، رواداری اور ترقی کا عمل جاری ہے، علماء کا احترام کیا جاتا ہے، دینی تعلیم کا احترام کیا جاتا ہے۔ انڈونیشی علماء نے کلی اجتہاد کے فریضے کو انجام دے کر اسلام اور اپنے سماج کی بہت خدمت کی ہے۔ وقت ہے کہ ہم انڈونیشی اسلام سے سیکھیں اور اپنے سماج میں امن، رواداری اور ترقی کے لیے کردار ادا کریں۔

انڈونیشیا دورے سے کچھ تصاویر

اسلام آباد میں سیمینار کے بعد گروپ فوٹو

خواتین کے کردار پر خواتین علما کانگریس کے رہنماؤں اور سول سوسائٹی سے اظہار خیال

انڈونیشیا پارلیمنٹ میں علما کرام کیساتھ

بندونگ کانفرنس منعقدہ 1955 کے تاریخی ہال میں گروپ فوٹو

جکارتہ کے کیتھیڈریل چرچ میں گروپ فوٹو

انڈونیشیا کی نائب وزیر خارجہ مس سیٹی نگ راہا مولدین کیساتھ گروپ فوٹو

اسلام آباد ائیر پورٹ پر روانگی سے پہلے

جکارتہ پارلیمنٹ میں میٹنگ کے بعد ڈپٹی سپیکر اور دیگر اراکین پارلیمنٹ کے ساتھ

گروپ فوٹو

نہضۃ العلما کے سربراہ کو اپنی کتاب اسلام اور جمہوریت پیش کرتے ہوئے۔

ادارہ

انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی اُمور ایک غیر سیاسی، غیر سرکاری تحقیقی ادارہ اور تھنک ٹینک ہے جو تنازعات اور حلِ تنازعات سمیت سماجی ہم آہنگی، امن کاری، جمہوریت، انسانی حقوق اور مذہبی سفارت کاری کے ذریعے پرُ امن بین الاقوامی تعلقات کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اس ادارے نے مسلم دنیا میں جمہوریت، مذہبی آزادی اور اقلیتوں کے مسائل پر خاطر خواہ کام کیا ہے۔ حال ہی میں پاکستانی علما، سیاستدانوں اور سول سوسائٹی کا ایک وفد انڈونیشیا لے گئے اور وہاں کی مذہبی، سماجی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیال کیا گیا۔ واپسی پر شرکا وفد نے اپنے خیالات کا اظہار مختلف کالمز، مضامین و مقالات کتابی شکل میں ''انڈونیشیا میں اسلام ''کے عنوان سے مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ زیرنظر کتابچہ ''انڈونیشیا میں تعبیر دین کے اصول ''نامور محقق بیرسٹر ظفراللہ خان سابق مشیر وزیراعظم پاکستان نے سفر کے بعد تحریر کیا۔ جس میں کئی اہم علمی اور فکری پہلوؤں کو زیربحث لایا گیا ہے۔ انڈونیشیا میں مذہبی تعبیر سے لیکر سماجی تعمیر تک کا سفر اور اس کے تاریخی ، مذہبی اور سماجی اسباب کیساتھ ساتھ ان کے اثرات پر کو زیربحث لایا گیا ہے۔ مقالے کی افادیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے اسے باقاعدہ کتابچے کی شکل میں شائع کیا ہے ۔

مصنف

بیرسٹر ظفراللہ خان نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم صوفیائے کرام کے شہر ملتان سے حاصل کی۔ وفاق المدارس العربیہ سے درسِ نظامی مکمل کیا۔ قائدِاعظم یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم ایس سی(بین الاقوامی تعلقات) کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہنے کے بعد ، سول سروس آف پاکستان کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ (1987ء) میں شمولیت اختیار کی۔ سٹی یونیورسٹی لندن (1997ء) سے ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ویسٹ آف انگلینڈ، برسٹل سے قانون میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ حاصل کیا اور لکنز اِن (1998ء) سے بار ایٹ لاء کرنے کے بعد ملازمت سے استعفی دے کر (2002ء) میں قانون کے شعبے سے منسلک ہوگئے۔ ہیگ (ہالینڈ)، تورین (اٹلی)، جنیوا(سوئٹزرلینڈ) اور آکسفورڈ (برطانیہ) سے قانون اور بین الاقوامی تعلقات پر کئی خصوصی کورسز کیے۔ وفاقی سیکریٹری برائے قانون و انصاف اور وزیراعظم پاکستان کے خصوصی معاون/وفاقی وزیر برائے قانون وانصاف، زیر برائے حقوق انسانی ، وزیر برائے اقتصادی اُمور، وزیر برائے کابینہ اور وزیر برائے پارلیمانی امور بھی رہے۔ آپ اسلام، قانون اور حقوق انسانی پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔